اقبال ایک پیامی شاعر *

محمد علی خان

اقبال ایک پیامی شاعر تھے اور ان کا پیغام ابتداء، ایک ایسے گروہ کے لیے تھا جو مخصوص تاریخی عوامل کے زیر اثر سعی و عمل سے کنارہ کش ہو چکا تھا 1857 کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی پس پائی محض ایک سیاسی سانحہ نہ تھا بلکہ اس نے برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں سے جینے کی امنگ چھین لی تھی اقبال سے پہلے حالی اور اکبر نے بیمار قوم کے مرض کی تشخیص تو کر لی تھی لیکن وہ اس مرض کے اصل سبب کو نہ پہچان سکے اکبر نے اس کا سبب مذہب سے انحراف بتایا اور حالی نے کہا کہ وہ اجتہاد فکر اور وسعت نظر چھوڑ کر تقدیر پرستاور تنگ خیال بن گئے ہیں حالی اور اکبر کے علاوہ مولانا شبلی نے بھی اس بات کو محسوس کیا کہ ترقی یافتہ قوموں کے تہذیب و تمدن کو اپنانے اور ان کی روایات کی پیروی کرنے کے بجائے اگر مسلمان صرف اپنے ہی ماضی کا مطالعہ کریں اور اپنی ہی روایات کا دامن تھامیں اور اس کے ساتھ زمانے کے تقاضوں کا ساتھ دیں تو دنیا کی کسی بھی متمدن قوم سے آگے نکل سکتے ہیں، بلکہ شبلی نے تو یہاں تک کہا کہ دوسری قوموں کی ترقی کا راز آگے بڑھنے میں ہے مگر مسلمانوں کی ترقی کا راز پیچھے کی طرف پلٹنے میں ہے، اور یہی مسلمانوں کے ماضی کے شاندار ہونے کا بین ثبوت

---

* 9 نومبر 1980 کو اقبال اکادمی پاکستان کے زیر اہتمام علامہ اقبال کے

ایک سو تیسرے یوم پیدائش کے موقع پر پنجاب یونیورسٹی کے سینیٹ ہال میں ایک اجلاس منعقد ہوا یہ جناب محمد علی خان، وفاقی وزیر تعلیم، کے خطبہ صدارت کا متن ہے

ہے علامہ اقبال کو جو بات دوسرے شاعروں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو ان کی ابتر حالت کا احساس دلاتے ہوئے کبھی مایوسی کا شکار نہیں ہونے دیا بلکہ ہمیشہ اس بات کا درس دیا کہ زندہ قوموں کو زمانے کے تغیرات اور انقلابات سے دل شکستہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ انقلابات ایک فطری عمل ہیں حکومتیں بدلتی رہتی ہیں

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارہ

مگر زندہ قوموں کو جدوجہد اور عمل سے کبھی منہ نہیں موڑنا چاہیے یہی ان کی بڑائی ہے البتہ اگر کوئی قوم اپنے آپ کو عمل سے محروم رکھ لیتی ہے اور وقت کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دیتی تو اس کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے

آئین نو سے ڈرنا، طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

مسلسل جدوجہد سے انسان کی ذہنی اور عملی قوتیں برابر تیز ہوتی رہتی ہیں اور اس کے سینے میں خودی کا شعلہ روز بروز روشن تر ہوتا جاتا ہے۔

زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل او در آرزو پوشیدہ است

ماز تخلیق مقاصد زندہ ایم

از شعاع آرزو تابندہ ایم

آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ عمل کے لیے لگن کی ضرورت پڑتی ہے اور اسے اقبال کی اصطلاح میں ''عشق'' کہتے ہیں عشق سے اقبال کی مراد تخلیق ذوق وجدان ہے یہ شدت احساس کی ایسی حالت کا نام ہے جو نہایت پر اسرار طریقے سے انسانی شخصیت کو لازوال بنا دیتی ہے۔

1 ''کلیات اقبال اردو'' (''بانگ درا'') ص 180

2 ایضاً، ص 174

3 ''کلیات اقبال فارسی'' (اسرار خودی) ص 17-15

یہی جذبہ انسان کو معراج حیات عطا کرتا ہے یہی سوز حیات ہے اور یہی ساز حیات اور رزم گاہ حیات میں اس کی بدولت اعلیٰ مقاصد کا حصول ممکن ہے

اقبال کا پیغام ایک حیات تازہ، پر جوش ولولے اور امنگ سے بھرپور ہے اور یہ پیغام عصری تقاضوں اور ملت کے افراد کی ظاہری حالت کو بدلنے کے لیے اشد ضروری تھا علامہ کو پختہ یقین تھا کہ مسلمانوں کا مستقبل نہایت شان دار ہے اور دنیا کی آئندہ امیدوں کا دارومدار انہی پر ہے انہوں نے قوم کو توحید، اخوت، عمل اور عشق کا سبق دیا ان کے نزدیک انسان کی خودی کی تکمیل اور فرد و ملت کا حقیقی ربط صرف اسلام ہی کے ذریعے ممکن ہے، جس میں فرد اور ملت کا تعلق نسل یا وطن کا محدود تصور نہیں بلکہ توحید اور رسالت کا ہمہ گیر عقیدہ ہے۔ فرد کو حقیقی آزادی ملت

اسلامی ہی کے اندر حاصل ہوتی ہے کیونکہ اس ملت نے نوع انسانی کو حقیقی معنوں میں حریت، مساوات اور اخوت کا عملی نمونہ پیش کیا۔۔۔ ایک ایسی مساوات جو رنگ و نسل، حسب و نسب اور معاشرتی امتیازات سے بے نیاز ہے۔

علامہ اقبال کی تاریخ عالم پر گہری نگاہ تھی وہ اقوام عالم کے عروج و زوال سے پوری طرح واقف تھے ان کے نزدیک ملت اسلامیہ کے اجزائے ترکیبی میں ابدیت کے ایسے عناصر موجود ہیں جو اسے کبھی شکست و فنا سے دوچار نہیں ہونے دیں گے اقبال کے پیغام کی رجائیت کے سوتے اسی احساس ابدیت سے پھوٹتے ہیں

در جہاں بانگ اذاں بودست و ہست
ملت اسلامیاں بودست و ہست

اقبال کی شاعری کا یہ خاص رنگ کسی تعصب، تنگ نظری یا فرقہ پرستی کا نتیجہ نہیں بلکہ عالم انسانیت کی بقا اور فلاح کے اس خواب سے مربوط ہے جو اقبال زندگی بھر جاگتی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ ان کے زمانے کے حوادث و واقعات نے بھی ان کو اس خاص نہج پر سوچنے

---

4 ایضاً (''رموز بے خودی'') ص 120

کے لیے مجبور کیا

اقبال کو اچھی طرح علم تھا کہ کوئی انقلاب اس وقت تک ٹھوس شکل اختیار نہیں کر سکتا جب تک عام انسانوں کے خیالات میں تبدیلی رونما نہ ہو اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے ملت اسلامیہ کو ان خطرات سے باخبر کرنا ضروری سمجھا جو اسے

مغرب کی طرف سے درپیش تھے۔ ان خطرات میں وطنیت کا وہ محدود اور تنگ و تاریک تصور بھی تھا جو خاصتاً مغربی اذہان کی پیداوار تھا اور اسلامی نظام فکر اور طرز زندگی میں جس کی قطعی کوئی گنجائش نہ تھی وہ وطن سے محبت کے قائل تھے، تاہم وہ اس نعرے کے خلاف تھے جس کی بدولت ایک مختصر سی مدت میں دنیا نے دو عالمی جنگیں دیکھیں نیشنلزم کی تحریک ہمیں انسان دوستی کا سبق نہیں دیتی اس تحریک نے نہ صرف انسان کو انسان سے جدا کیا بلکہ اسلامی تعلیمات کی سراسر نفی کی اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے یہ سبق پڑھایا کہ تمام انسان، خواہ وہ کسی رنگ و نسل سے تعلق رکھتے ہوں، برابر ہیں اقبال کی دوربین نظروں نے یہ دیکھ لیا کہ مغرب وطن پرستی کا ڈھونگ رچا کر دنیا کو مذہب سے بیگانہ کر کے اور اس طرح ان کی قوت کو پارہ پارہ کر کے مذموم مقاصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے اسی لیے انہوں نے عالم اسلام کو تلقین کی۔

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تو رانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

علامہ اقبال شاعر مشرق بھی ہیں اور شاعر اسلام بھی ساتھ ہی ساتھ وہ ہمارے قومی شاعر بھی ہیں لیکن اگر ہم ان کی شاعری کے پیام کی آفاق نوعیت پر ذرا بھی غور کریں اور شاعر کے مقصد اور رویے کی وسعت اور جذبات اور احساسات کی گہرائی پر نظر ڈالیں تو اقبال کو شاعر انسانیت کہنا زیادہ مناسب ہوگا وہ بنی نوع انسان کے شاعر ہیں اور تمام نوع بشر کو اخوت و محبت کے رشتے میں باندھ کر ایک بہتر اور بلند زندگی اور ایک اعلیٰ و ارفع نصب العین کی طرف لے جانا چاہتے ہیں

5 ''کلیات اقبال اردو'' (بانگ درا) ص 280

سچ بات تو یہ ہے کہ ان کو سب سے زیادہ فکر انسان کے مستقبل کا ہے

اقبال نے ہمیں ایک با اختیار اور آزاد انسان کا تصور دیا۔۔۔۔۔ایسا انسان جو مسخر کائنات بھی ہے یہ نوع انسانی کے لیے ان کا ایک اہم عطیہ ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ انسانی زندگی کے لامحدود امکانات کے مبلغ بھی ہیں ان کے تمام فکر کا نصب العین تکمیل آدمیت ہے دنیا کے ہر ملک کا باسی ان کا مخاطب ہے وہ فرد میں خود اعتمادی پیدا کرنا چاہتے ہیں تا کہ وہ اپنی استعداد اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنی شخصیت کو بھرپور بنا سکے۔

اقبال کے کلام کو پڑھ کر قاری اپنے اندر ایک نیا ولولہ حیات اور اپنے ذہن میں ایک نئی روشنی محسوس کرتا ہے:

ہر اک قام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوق سفر کے سوا کچھ اور نہیں

تو رہ نورد شوق ہے؟ منزل نہ کر قبول!
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول!

علامہ اقبال نے ایک ماہر اور فیاض حکیم کی طرح ان اسباب کو بھی سمجھا جو مغرب کے زیر اثر عالم اسلام کے بدن میں زہر گھول رہے تھے اور فساد فکر و نظر پیدا کرنے کا ذریعہ تھے مغرب کی تمام تر ترقی مشاہدہ اور تجربات سے اخذ شدہ نتائج پر مبنی تھی یوں نوجوانوں کے دماغ تو روشن ہوئے مگر ان کے دل تیرہ و تاریک ہو کر رہ

گئے۔

اقبال نے ''جاوید نامہ'' میں نئی نسل کو مخاطب کر کے جو نصیحت کی ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ دانش کی دو قسمیں ہیں۔۔۔ایک دانش نورانی اور دوسری دانش برہانی دانش برہانی سے بجز حیرت و تشنگی کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ہمیں فلسفیوں کے نکتہ دقیق پر ایمان و یقین کو ترجیح دینی چاہیے اور قلب کی گہرائیوں سے خالق بزرگ و برتر کی

---

6 ایضاً (''بال جبریل'') ص 47

---

7 ایضاً (''ضرب کلیم'') ص 72

عظمت اور محمد عربیؐ کی رسالت کا اقرار کرنا چاہیے آدمی اپنی بندگی اور عبودیت کا رشتہ اسی ذات برحق سے جوڑے اور تمام عالم سے بے نیاز ہو جائے جس طرح توحید جب قلب کی گہرائیوں میں سرائیت کر جاتا ہے تو عشق پیدا ہوتا ہے جو سراپا یقین اور سراپا حضور ہے آتش عشق قلب کی ظلمتوں کو نور سے بدل دیتی ہے موت جیسی شے اب اس کا محبوب قرار پاتی ہے، اور جس کے دل میں موت کی محبت سرایت کر جائے اس میں دنیا کے مال و جاہ کی محبت کیسے غالب آ سکتی ہے اور یوں بندہ میں ''فقر'' پیدا ہو جاتا ہے۔

علامہ نے جن خطرات کو محسوس کیا تھا، دنیائے اسلام کو آج بھی ان کا سامنا ہے ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم حضرت علامہ کی تعلیمات کی روشنی میں عہد جدید کے امراض کو پہچانیں اور ان کا علاج بھی دریافت کریں آج عالم اسلام ایک اضطراب سے دو چار ہے یہ بے چینی ایک نئی زندگی کی علامت ہے مگر اس وقت صحیح سمت کا

تعین از بس ضروری ہے اگر ہمارے دلوں میں ایمان اور یقین کی لو بلند ہو تو راستے کے مصائب جو بظاہر پہاڑ کی طرح دکھائی دیتے ہیں پر کاہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006